درسِ قرآن کریم

جناب پروفیسر مقبول احمد قاسمی

ام حسب الذین یعملون السیأت ان یسبقونا ساء ما یحکمون۔

کیا جو لوگ برائیاں کرتے ہیں یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ وہ ہم سے بازی لے جائیں گے۔ بڑی بات ہے جس کا انہوں نے فیصلہ کیا۔

اگر کفار و مشرکین نے زبانی طور پر یہ کبھی نہ کہا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بازی لے جائیں یا یہ کہ وہ اللہ کو مغلوب کر دیں گے لیکن ان کے اعمال و افعال ایسے تھے کہ گویا زبانِ حال سے وہ یہی کہہ رہے تھے کیونکہ جو شخص یہ یقین رکھتا ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دسترس میں ہے اور اگر اسے دنیا میں۔ اس نے کسی عذاب میں مبتلا نہیں کیا تو آخرت میں ضرور اس کی بازپرس ہوگی اور انجام کار عذاب کا مستحق ٹھہرے گا۔ اس کے وہ اعمال نہیں ہو سکتے جو ان لوگوں کے تھے۔ لہٰذا اگر لفظاً نہیں تو عملاً وہ قرار ثابت کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے وہ جیت جائیں گے۔ اس آیت میں ان لوگوں کی بھی تردید کی جو یہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ ان گناہوں پر ان سے دنیا میں گرفت نہیں کرتا تو آخرت یا کسی اور زندگی میں بھی وہ گرفت نہیں کرے گا۔ آیت کریمہ کے آخر میں صاف طور پر فرمایا کہ ان کی یہ سوچ اور یہ فیصلہ غلط ہے اور ان کا اپنے متعلق یہ فیصلہ کر لینا عقل اور شرع دونوں کے خلاف ہے۔

من کان یرجو لقاء اللہ فان اجل اللہ لات وھو السمیع العلیم

جو کوئی توقع کرتا ہے اللہ کی ملاقات کی سو اللہ کا وعدہ آتا ہے۔ وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں فرمایا کہ جو شخص یہ امید رکھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملے گا تو بلاشبہ مدت کا وقت مقرر ہے اور وہ ایک نہ ایک دن آنے والی ہے لہٰذا اسے چاہیے کہ وہ نیک اعمال بجا لائے اور احکامِ الٰہی کی تعمیل میں جلدی کرے تاکہ جب وہ حسبِ امید اپنے اللہ سے ملے تو سرخ رو ہو اور اس کی تمام تر امیدیں جو اس نے وابستہ کر رکھی تھیں پوری ہوں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے اور وہ اپنے بندوں کی تمام باتیں سنتا ہے۔ اور جانتا ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ اس سے ڈرے اور اس کے

احکامات سے سرمو انحراف نہ کرنے کی کوشش کرے ۔

ومن جاھد فانما یجاھد لنفسہ ان اللہ لغنی عن العلمین ۔

اور جو کوئی محنت کرتا ہے سو وہ محنت کرتا ہے اپنے ہی لیے بے شک اللہ بے نیاز ہے جہانوں سے

جب پہلی آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے اعمال پر اپنے وعدہ کے مطابق جزا اور وعید کے مطابق سزا دے گا۔ مومنین و صالحین کو حسن جزا سے نوازے گا اور کفار و مشرکین اور منافقین کو مبتلائے عذاب کرے گا۔ تو اس کے بعد یہ بات واضح کی کہ اللہ تعالیٰ جو انسان کو یہ جزا و سزا دے گا یا یہ کہ انسان جو نیک اعمال کرے گا تو یہ سب باتیں اس لیے نہیں کہ ان کا کوئی فائدہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو پہنچے گا اور وہ اپنے بندوں سے اپنی ذات کی منفعت کی خاطر یہ تقاضا کرتا ہے بلکہ یہ سب کچھ تو انسان کے اپنے فائدے اور نفع و نقصان کے لیے ہے ۔ جو شخص ایمان لائے گا اور عمل صالح کا مرتکب ہوگا تو انجام کار اس کا فائدہ اس شخص کی ذات کو ہوگا ۔ اللہ تعالیٰ کو نہیں ۔ کیونکہ وہ ذات حق صفات تو تمام کائنات سے بے نیاز و مستغنی ہے ۔ اور اس کے برعکس تمام کائنات و مخلوقات اپنی پیدائش اور اپنی بقا اور اپنے حسن انجام میں اس کی محتاج و نیاز مند ہے ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بشارت بھی دی ہے کہ چونکہ وہ بے نیاز و مستغنی ہے لہٰذا اگر وہ اپنے بندہ مومن کو دنیا جہاں کی نعمتیں اور انعامات دے ڈالے تو بھی وہ ایسا کر سکتا ہے اور اگر وہ اپنے بندہ فاسق کو تباہ و برباد کر دے تو بھی ایسا کر سکتا ہے کیونکہ وہ غنی ہے ۔ اور اس کے افعال پر اسے کوئی پوچھنے والا نہیں لہٰذا انسانوں کو چاہیے کہ وہ اس سے امید رکھیں اور اس کی ذات سے اپنے آپ کو متعلق رکھیں اسی سے ڈریں اور اسی کا خوف دل میں رکھیں ۔ اور اس کے سوا کوئی ایسی ہستی اور ذات نہیں جس سے امیدیں وابستہ کی جا سکیں یا جس سے ڈرا جا سکے کیونکہ وہ سب بذات خود مسؤل اور جوابدہ ہیں اور جن کی اپنی یہ حیثیت ہے اُن سے خوف و رجاء رکھنے کا کیا معنیٰ ۔

والذین امنوا وعملوا الصلحت لنکفرن عنھم سیاتھم و لنجزینھم احسن الذی کانوا یعملون ۔

اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل کیے نیک ، ہم اتار دیں گے برائیاں ان کی اور بدلہ دیں گے ان کو بہتر سے بہتر کاموں کا ۔

سورت کے آغاز میں اصحاب سیئات کا مجملاً ذکر فرمایا اور مجملاً ہی ان کے مبتلائے عذاب ہونے کا ذکر کیا ۔ اس آیت میں ، جس کہ قرآن حکیم میں اکثر مقامات پر کفار کے بعد مومنین کا ذکر ہوتا ہے ۔

اصحاب ایمان اور اعمال صالحہ کا ذرا تفصیل سے ذکر کیا اور ان کی جزا کو بھی مفصل بیان کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی بہ نسبت اس کی رحمت زیادہ وسیع ہے اللہ تعالیٰ کی ذات حق صفات اگرچہ بندوں اور ان کے اعمال سے مستغنی ہے لیکن اس کے باوصف وہ اپنے بندوں پر انتہائی مہربان اور شفیق ہے اس نے بندوں کے لیے توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھا ہے۔ اگر بندہ گناہ کرتا ہے تو وہ اس کو اس کا ہی بدلہ دیتا ہے۔ اور اگر نیکی کرتا ہے تو اس کا ثواب دس گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ عطا کرتا ہے، جیسا کہ فرمایا :۔

ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ وان تک حسنۃ یضاعفھا ویؤت من لدنہ اجرا عظیما۔

اس کی رحمت بے کنار و بے حد و حساب ہے۔ انسان کے گناہ نیکیوں سے دھل جاتے ہیں۔ شرک جیسا بدترین گناہ بھی توبہ اور توحید کے اقرار سے ختم ہو جاتا ہے عمل صالح کے مقابلہ پر عمل فاسد ہوتا ہے۔ فاسد کا معنی ہے ختم اور ہلاک ہو جانے والا۔ اور اس کے مقابل صالح کا مطلب ہے دائمی اور ہمیشہ رہنے والا لہٰذا عمل صالح دائمی رہتا ہے اور عمل فاسد ایک نہ ایک دن عمل صالح کی بدولت ختم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی مومن ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں نہیں رہے گا۔ اور ایک نہ ایک دن وہ ضرور جہنم سے نجات پاکر جنت میں داخل ہوگا۔ کیونکہ جن فاسد اعمال کی وجہ سے وہ داخل جہنم ہوا ہوگا۔ وہ ضرور ختم ہو جائیں گے لہٰذا وہ بھی جہنم میں دائمی نہ رہے گا۔ امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ اس آیت سے جو مسائل معلوم ہوتے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عمل صالح کیلئے حسن نیت شرط اور ضروری چیز ہے اور کوئی عمل صالح اس وقت تک قبول نہیں ہو سکتا جب تک اس کے ادا کرنے میں یہ نیت نہ ہو کہ یہ عمل خالص اللہ کی رضا کے لیے ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ روزہ بھی عمل صالح ہے اور اس کے لیے بھی نیت شرط ہے۔ اس طرح وضو بھی عمل صالح ہے اور اس کے لیے بھی نیت شرط ہے۔ اگرہ امام زفر اور امام ابو حنیفہ بالترتیب ان اعمال میں نیت کو شرط نہیں تسلیم کرتے اور یہ آیت ان کے اس قول کی تردید کرتی ہے کہ روزہ اور وضو میں نیت ضروری نہیں۔ اس موقعہ پر یہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ امام رازی نے عمل صالح کے لیے صرف ایک شرط یعنی اخلاص اور حسن نیت کا ذکر کیا ہے۔ مگر یہی شرط کافی نہیں بلکہ عمل کا سنت کے مطابق ہونا بھی ضروری ہے اور ہر وہ عمل جس میں نیت خواہ کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو اگر سنت کے مطابق نہیں تو بھی اس کو عمل صالح نہیں کہا جا سکتا۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ :۔

ہر وہ کام جو ہمارے حکم کے مطابق نہیں وہ مردود ہے۔

لہٰذا عمل صالح کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں۔ حسن نیت اور اس کا سنت کے مطابق ہونا۔
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کے اعمال پر ان کے اعمال کی بہ نسبت احسن جزا دے گا۔ احسن جزا سے مراد جنت اور اس کی لافانی نعمتیں بھی ہیں لیکن بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ احسن جزا رویت باری تعالیٰ ہے کہ مومن قیامت کے دن اور جنت میں باری تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔ اور کفار و مشرکین اس سعادت اور نعمت عظمیٰ سے محروم رہیں گے۔ اور مومنین کے لیے یہ ایک ایسی بیش قیمت اور عظیم الشان نعمت ہوگی کہ اس کے مقابلہ میں ان کی نظروں میں جنت اور اس کی دیگر نعمتوں کی حیثیت ہی باقی نہ رہے گی۔

اس موقع پر ایمان اور عمل صالح کے بارہ میں دو باتوں کا اجمالاً ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس وقت تفصیل کی گنجائش نہیں اور یہ دونوں مسائل اس قدر اہم ہیں کہ ان کے بیان سے صرف نظر بھی نہیں کیا جا سکتا۔

۱۔ فتنۂ خوارج کے تعارف کی ضرورت نہیں۔ البتہ اتنا بتا دینا کافی ہے کہ اس فتنہ کا آغاز جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوا۔ ان لوگوں نے یہ کہا جو شخص کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ بلکہ ان میں ازارقی فرقہ نے تو یہاں تک کہا کہ صغیرہ گناہ کا مرتکب بھی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے لہٰذا ایسے لوگوں کے خلاف جہاد کرنا لازم اور ضروری ہے۔ یہ ایک انتہا پسندانہ عقیدہ تھا۔ اور کتاب و سنت کے خلاف تھا۔ کیونکہ کتاب و سنت کی رو سے ایک شخص میں ایمان اور گناہ خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ دونوں کا بیک وقت جمع ہونا جائز ہے۔ لہٰذا خوارج کی سوچ غلط اور کج فکری پر مبنی تھی۔ جوں جوں خوارج نے اپنے اس عقیدہ پر تشدد اختیار کیا تو اس کے ردعمل کے طور پر جہمیہ معتزلہ نے کہا کہ اعمال ایمان کا حصہ ہی نہیں ہیں اور اعمال و ایمان میں مغائرت ہے لہٰذا مرتکب کبیرہ یا صغیرہ مومن ہے اور یہ کہ ایمان محض تصدیق کا نام ہے جس کا محل دل ہے لہٰذا اگر کوئی شخص زبان سے شہادتین کا اقرار نہ بھی کرے تو وہ مومن ہے۔ اسی بناء پر بعض لوگوں نے فرعون اور ابوطالب کو بھی مومن قرار دیا۔ کیونکہ وہ دونوں دل سے نبیوں پر یقین رکھتے تھے۔ لہٰذا دلی یقین کی بناء پر وہ ایمان دار شمار کئے جائیں گے۔ معتزلہ اور جہمیہ کے اثرات سے دیگر فقہی مذاہب بھی نہ بچ سکے۔ اسلامی فرقوں میں سے حنفیہ اور اشعریہ نے بھی جہمیہ سے متاثر ہو کر یہی عقیدہ اختیار کیا۔ چنانچہ احناف کی تمام معتبر فقہی کتب میں صاف طور پر لکھا ہے کہ ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی اور یہ کہ اعمال داخل ایمان نہیں ہیں۔ اسی طرح اشعری فرقہ بھی اس بات کا قائل ہے چنانچہ فرقہ

اشعری کی باقی ابوالحسن اشعری، اس کے بعد باقلانی اور امام جوینی وغیرہ اس عقیدہ کے قائل ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ نے ان سب لوگوں کے نام لے کر ان کے اس قول کی تردید کی ہے۔ امام رازی بھی چونکہ اشعری ہیں اس لیے انہوں نے بھی اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اعمال داخل ایمان نہیں اور ان میں مغائرت ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ احناف ابواشعری کا یہ مسلک جہمیہ سے ماخوذ ہے اور یہ عقیدہ تحقیق پر نہیں بلکہ محض خوارج کے ردِ عمل کے طور پر اپنایا گیا ہے۔

۲۔ عمل صالحہ کے ضمن میں دوسری اہم بات یہ قابلِ ذکر ہے کہ کیا عقل اور فطرت سے بھی اشیاء کے حسن و قبیح کا پتہ چل سکتا ہے یا کہ نہیں۔ اور یہ کہ کیا اشیاء کے حسن و قبیح کی بناء صرف شریعت ہے یا کہ نہیں۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ اشیاء کے حسن و قبیح کا علم صرف عقل سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ معتزلہ اور یہاں ہندوستان میں بھی برہمنوں کا عقیدہ ہے۔ اس کے برعکس اشعریہ اور بعض دیگر فرقوں کا خیال ہے کہ اشیاء کا حسن و قبیح صرف شریعت سے معلوم ہو سکتا ہے۔ ان کے نزدیک ایک بات اگر عقلاً بری ہو تو محض شرع کے حکم سے وہ اچھی ہو جاتی ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ جانور کو ذبح کرنا عقلاً بری بات ہے اور اس فعل سے جانور کو اذیت ہوتی ہے۔ مگر چونکہ شرعاً اجازت ہے لہٰذا فی نفسہ قبیح اور بری بات ہونے کے باوجود اسے اچھی بات کہا جائے گا۔ مگر یہ ان لوگوں کی بھول ہے شریعت کا کوئی کلمہ عقلِ سلیم کے منافی نہیں اور نہ ایسا کوئی کلمہ ہے جو عقلاً محال ہو۔ مگر شریعت نے اس کا حکم دیا ہو۔ معتزلہ اور اشعریہ دونوں ہی اس مسئلہ میں متشدد اور انتہاپسند ہیں۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ بعض افعال عقلاً اور بعض شرعاً حسن و قبیح کے حامل ہیں۔

بقیہ: تصریحات

نے بھی پیچھے انتخاب کی ڈفلی بجانا شروع کر دی اور خود بھی انتخابات میں بھرپور حصہ لیا۔ صدر صاحب کچھ عرصہ سے محتاط ہیں۔ لیکن یہ سرکار پرست علماء کرام اپنے بہکے بہکے بیان دینے سے باز نہیں آتے ایسے سرکاری درباری علماء سے ہم یہ عرض کرنے کی جسارت کریں گے کہ خدارا اللہ کی رضا کی بات کیجئے اسلام کی صحیح ترجمانی فرمائیے۔ یہ سرکار و دربار نہیں دھرا رہ جائے گا۔ عارضی مفاد پر حیات جاوید کو ترجیح دیں۔ تلوار کی دھار پہ پھانسی کے پھندے کو چومتے ہوئے سچ بات کہنے کی روایت کو نبھائیں۔

(م۔ انیس)